موثراتِ وؔلی

پروفیسر عبدالحق

2315، گراؤنڈ فلور، ہڈسن لین، کنگزوے کیمپ، دہلی۔110009، موبائل:09350461394

حاتم وؔلی ولی ہے جہاں میں سخن کے بیچ[1]

ولی (۱۶۵۰ء—۱۷۲۰ء) کا کلام شمالی ہند میں شعری الہام بن کر اُترا۔ ابرِ بہار کی طرح برسا۔ نواحِ دہلی کے قریہ وقصبات کو تخلیقی نمو سے شاداب کر گیا۔ دنیائے ادب میں ایسی مثال مشکل سے ملے گی کہ ایک فرد کے کلام نے شعر ہی نہیں زبان کو یہ وقار بخشا ہو کہ بے مایہ تصور کی جانے والی بولی کو خاص و عام نے قبولیت سے نوازا اور حیرت انگیز تخلیقی سرمایہ سے سرفراز کیا۔ ولی کے زبان و بیان کی سحر آفرینی دبے پاؤں دہلی کے تخلیق کاروں کے سینوں میں راز بن کر داخل ہوئی۔

'مرے گھر اس طرح آتا ہے جوں سینے میں راز آئے' دیوانِ ولی کی آمد سے قبل دہلی میں شعر گوئی کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس کے آثار واشارات بہت قلیل تھے۔ اسے استقبال حاصل تھا اور نہ ہی استناد۔ تفریحاً طبع آزمائی ہو رہی تھی۔ یا فارسی سے منحرف ہو کر منہ کا مزہ بدلنے کے لیے شاعری کی جا رہی تھی۔ میر (۱۷۲۲ء—۱۸۱۰ء) نے ایوانِ تنقید کی بنیاد ٹیڑھی رکھی جسے آج تک قلم کا قط درست نہ کر سکا۔ معمارِ اوّل کی کجروی نے تنقید کی غلط طرح ڈالی۔ انھوں نے اپنے تذکرہ 'نکات الشعراء' میں دکن کے عظیم سرمایۂ سخن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے تذکرے کا آغاز کیا:

''ریختہ از دکن است۔ چوں از آنجا یک شاعرِ مربوط برنخواستہ
لہٰذا شروع بنام آنہا نکردہ۔''[2]

انھیں دکن میں ایک بھی شاعرِ مربوط نظر نہیں آیا لہٰذا ان کے ذکر سے گریز کیا۔ ہم آج تک زبان و بیان کی ناہمواری کا عذر لے کر دکن کے سرمایہ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ میؔر نے اور بھی کئی گمراہی مشتہر کی ہے۔ غالباً دکن کے ذخیرۂ فن تک ان کی رسائی نہ ہو سکی، مگر دکن کے شعری معشوق سے انھیں بھی مفر نہ مل سکا۔ ادبی تاریخ میں ایسے بہت ہی قلیل قلمکار ہوں گے، جنھوں نے اپنے موثرات سے بساطِ ادب کے احوال بدل دیے ہوں۔ ولی کی پیروی کو سعادت اور سرخ روئی کا سبب سمجھا گیا۔ سوغات سمجھ کر سنبھالا گیا۔ شعری صحیفہ جان کر اونچی محراب پر آویزاں کیا گیا۔ اشعار گفتگو میں حوالے بن کر استعمال ہونے لگے۔ شعر کہنے کے لیے کلام ولی کو معیار و معراج قرار دیا گیا۔ ولی کی پیروی اور اکتسابِ فن کو لازمی سمجھ کر دہلی کے خورد وکلاں نے طبع آزمائی کی۔ اس دور کے بیش از بیش قابل ذکر شعرا کے کلام میں وؔلی کی زمین اور غزلوں کی پیروی کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ یہاں صرف چھ شعرا کا تذکرہ ہے، جن کا کلام پیش نظر ہے۔ یقین ومضمون وغیرہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

شمالی ہند کے سب سے بڑے اور محترم شاعر شاہ مبارک آبرو (م ۱۱۴۶ھ) ہیں۔ ان کا دیوان تقدیم اور توقیع کے طور پر سب میں نمایاں تسلیم کیا گیا ہے۔ مطبوعہ دیوان[1] میں دسیوں غزلیں ولی کی زمین میں موجود ہیں۔ زمین یا بحر واوزان سے قطع نظر خیالات اور لفظیات کا ایک قابل قدر حصّہ بھی ان میں در آیا ہے۔ ترکیبوں کا اجتماع بھی نظر آتا ہے۔ زبان کا فرق بہت ہی معدوم نظر آتا ہے۔ پیروی کی یہ مثالیں موثرات کے مضمرات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ دو ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ پہلی صورت دیکھیے۔ ولی کی مشہور غزل ہے جو غزل گوئی کا محرک ہی نہیں شعری معرفت کا مصدر بھی ہے:

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا[3]

آبرو کی غزل کے مطلع پر غور کیجیے:

جو کہ محرم ہو عشق بازی کا
دل سیں عاشق ہے جاں گدازی کا[4]

اس غزل کے آخری شعر میں ولی کے مطلع کا پرتو بہت نمایاں ہے:

غم حقیقی ہے کیا ہوا ہے مجھے
عشق ہے عالم مجازی کا

طرحی زمینوں کے علاوہ 'مضامین، ترکیبیں، تلمیح و علامتیں، تشبیہ و استعارات کی مشابہت میں اسالیب اور طرزِ اظہار کی ایک دنیا آباد ہے۔ آبرو نے ایک تجاہل برتا ہے۔ زمین ولی کی ہے انداز واسالیب بھی ولی کے

ہیں، مگر مقطع میں حافظ شیرازی کی پیروی کا اقرار شاید قافیہ کے سبب ہے:

آبرو شعر کے کمال سیں ہے
معتقد حافظ شیرازی کا[۵]

ولی کا شعری عرفان تفاخر نہیں بلکہ تخلیقی حقیقت کا ترجمان ہے:

ولی ایراں و توراں میں ہے مشہور
اگرچہ شاعرِ ملک دکن ہے[۶]

واقعہ یہ ہے کہ ولی کے فنّی موثرات اور تخلیقی اکتسابات اردو ہی نہیں اس کے سرچشمۂ فیض فارسی غزل گوئی کے دوش بدوش ہیں۔ گو فارسی غزل گوئی نے ولی کے شعری کمالات کو جمال ہم نشینی سے پُر نور کیا ہے۔ ولی کو قدرت کی طرف سے بلا کی تخلیقی قوت بخشی گئی تھی۔ ان کی اختراعی فعالیت ایک استعجاب ہے۔ اسی کی بدولت شمالی ہند میں تخلیق کا چشمہ اُبل پڑا، جس کا تجزیہ ہنوز باقی ہے۔ ولی کو بابا آدم یا چار سر کہہ کر ہم سبک دوش نہیں ہوسکتے۔ ولی کی غزل گوئی کی وسعتیں بے کنار ہیں۔ اس کی جامعیت کلاسیکی ادب کا پیش نامہ ہے، جس نے لاشعوری طور پر ایک منضبط اور منصوبہ بند تخلیقی رہ گزر کی بنیاد رکھی اور رہ روانِ شوق کو گامزن کیا۔ سنگِ نشاں کے ساتھ ریگ رواں بھی ہم دوش سفر ہوئے۔ تخلیقی تاثرات کا ایسا شعری انقلاب شاید نہ ملے۔ اردو غزل فارسی کی حریف بن گئی۔ نغمہ وآہنگ سے لبریز شاعری کے نمونے ریختہ ہی نہیں دوسری زبانوں میں بھی مفقود نظر آتے ہیں۔ آہستہ آہستہ کے آہنگ میں ولی نے چار غزلیں رقم کیں۔ اس ردیف وقافیہ میں اردو کے کسی شاعر کی غزل ولی سے سبقت نہ لے جاسکی:

کیا مجھے عشق نے ظالم کو آب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کو کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ[۷]

شاہ مبارک آبرو نے اپنے دامنِ شعر کو ولی کی غزل سے گہر بار کیا ہے اور بڑی دیانت داری کے ساتھ اعتراف بھی کیا ہے:

لگا ہے آبرو مجکوں ولی کا خوب یہ مصرع
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ[۸]

پورا مصرع ولی سے مستعار ہے۔ کلیاتِ ولی کے مطبوعہ نسخے میں سوال کی جگہ خطاب ہے۔ ولی کے خطی نسخوں میں اختلاف متن بھی ملتا ہے۔ ان غزلوں کو موسیقاروں نے ساز کے آہنگ میں ڈھال کر محویت کا سماں پیدا کیا ہے۔ آبرو کے دوسرے بڑے اور مقتدر معاصر شاہ حاتم (۱۶۹۹ء — ۱۷۸۳ء) ہیں۔ ان کے مطبوعہ کلام میں ولی کی زمینِ طرح میں گیارہ غزلیں موجود ہیں۔ یہ غزل ۱۱۳۳ھ کی ہے۔ جس کا مطلع ہے:

جس کے دل میں ترا خیال ہوا
اس کو جینا سجن محال ہوا[۹]

ولی کا مطلع ملاحظہ ہو:

جلوہ گر جب سوں وو جمال ہوا
نورِ خوشید پائمال ہوا

صرف زمینِ طرح تک نسبت ہے۔ شاہ حاتم کی غزل ولی کے تخیل کی بلند آہنگی اور تشبیہات کی ندرت تک رسائی نہیں پاسکی۔ حاتم کی ایک دوسری غزل کا مطلع سنیے:

تاباں ہے اس نگاہ میں مج دل میں نور آج
جس نور میں ہوا ہے ہر اک کوہِ طور آج[۱۰]

یہ غزل بھی ۱۱۳۱ھ یعنی حاتم کے ابتدائی دور کی شاعری کا بہتر نمونہ ہے۔ اس طرح دیوان زادہ میں گیارہ طرحی غزلیں زمینِ ولی میں ہیں۔ مذکورہ زمینِ ولی کی غزل کا مطلع ہے:

جولاں گری میں گرم ہے وو شہسوار آج
سینے سوں عاشقاں کے اُٹھے ہے غبار آج[۱۱]

ولی کے یہاں گیارہ اشعار ہیں۔ جب کہ حاتم نے صرف پانچ اشعار پر اکتفا کیا ہے۔ اس سے ولی کی قدرتِ بیان کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ حاتم کا اقرار ہے کہ فارسی میں وہ مرزا صاحب کا تتبع کرتے رہے اور ریختہ میں ولی ہی ان کے معنوی استاد تھے۔

''در ریختہ ولی را استاد می داند''

راقم نے لکھا ہے:

''دہلی میں ولی کا دیوان ۱۱۳۲ھ میں آیا اور بساطِ شعر پر ایک نئی تخلیقی تحریک پیدا ہوئی جس سے دہلی کے درودیوار شعروسخن کی آواز بازگشت سے گونج اُٹھے — مصحفی نے حاتم کے حوالے سے 'تذکرۂ ہندی' میں لکھا ہے:

روزے پیش فقیر نقل می کرد کہ در سنہ دویم فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہجہاں آباد آمد و اشعارش برزبان خورد و بزرگ جاری گشتہ۔''[۱۲]

شاہ حاتم نے غزل کے ایک شعر میں اپنے عجز کا اظہار بھی کیا ہے:

اے ولی مجھ سے اب آزردہ نہ ہونا کہ مجھے
یہ غزل کہنے کو نواب نے فرمائی ہے[۱۳]

گویا نواب امیر خاں انجام کو بھی ولی کا کلام پسند ہے۔ ولی کے اثرات صرف آبرو و حاتم تک ہی محدود نہیں ہیں، بلکہ اس دور کے سبھی شعرا نے تاثرات قبول کیے ہیں۔ کلام کا تحفتاً پیش کیا جانا عوامی مزاج میں

شامل ہو چکا تھا۔ دہلی کے گردونواح میں کلام ولی کی شہرت عام تھی۔ مولانا آزاد نے ولی کو بابا آدم بے سبب نہیں کہا ہے۔

ابتدائی دور کی شاعری کے اوّلین معماروں میں محمد خاں فائز دہلوی (م ۱۶۹۰ء) کا نام فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انھیں اوّلیت کا حق حاصل نہ سہی، مگر شعری ادب کی ترویج وتربیت میں ان کا نمایاں نام ہے۔ ان کا الگ سے اردو دیوان بھی نہ سہی مگر فارسی کلام میں شامل اردو اشعار کا ایک معقول حصہ ان کی ریختہ گوئی کی مربوط روایت کی نشان دہی کرتا ہے۔ کلام مختصر ہے جسے مرتب کرکے پہلی بار ۱۹۶۵ء میں شائع کیا گیا۔ دوسرے معاصرین کی طرح فائز بھی ولی کے فکر وشعر کی سحر آفرینی سے نہ بچ سکے اور نہ تتبع میں تاخیر کی۔ ولی کا مشہور مطلع ہے:

وہ نازنیں ادا میں اعجاز ہے سراپا
خوبی میں گل رخاں سوں ممتاز ہے سراپا[۱۴]

فائز نے زمین ولی کی پیروی کرتے ہوئے غزل لکھی:

خوباں کے بیچ جاناں ممتاز ہے سراپا
اندازِ دلبری میں اعجاز ہے سراپا[۱۵]

اس دور کی شاعری اور ثقافت پر حکیمانہ نظر رکھنے والے نقاد پروفیسر محمد حسن لکھتے ہیں:

"اگر ولی اور آبرو کی طرح میں لکھی ہوئی غزلوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ دونوں میں مضامین تقریباً مشترک ہیں۔ ولی کی غزلوں کے مضامین کو تو تھوڑے بہت ردّ وبدل کے ساتھ فائز نے تقریباً جوں کا توں نظم کردیا ہے اور ہر جگہ ولی کا شعر بہتر ہے اور فائز نے محض اس مضمون کو اپنے طور پر ادا کیا ہے اور ولی کے شعری مرتبے تک پہنچانے میں کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔ مثلاً فائز کا شعر:

خوباں کے بیچ جاناں ممتاز ہے سراپا

ولی کے مطلع کا چربہ ہے اور کمتر درجے کا ہے۔"[۱۶]

فائز کی ایک اور غزل کا مطلع دیکھیے:

اے خوب رو فرشتہ اسیر انجمن میں آ
سروِ روانِ حسن ہمارے چمن میں آ

ولی کی غزل کا مطلع ہے:

اے رشک ماہتاب تو دل کے صحن میں آ
فرصت نہیں ہے دن کو اگر توں رین میں آ[۱۷]

فائز کی غزل دراصل ولی کی پیروی ہی نہیں بلکہ ایک نیاز مند کا نذرانہ عقیدت ہے۔ مضامین اور الفاظ کے انتخاب و استعمال میں بھی اہتمام رکھا گیا ہے۔ ولی کی پیروی میں ایک اور غزل کی مثال پیش نگاہ رکھیے تو یقین وثبات میں میرے ہم خیال ہوں گے۔ ولی نے ردیف ن کی غزل میں سات اشعار قلم بند کیے ہیں۔

ولی کا مطلع ہے:

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

فائز نے اس زمین میں دس اشعار رقم کیے ہیں:

جب سجیلے خرام کرتے ہیں
ہر طرف قتلِ عام کرتے ہیں[۱۸]

خرام، کام، غلام، رام، سلام قافیہ سے قطع نظر خوباں، خوب رو زلف، عاشق، دیکھ صبح وشام وغیرہ الفاظ بھی فائز نے بہت بے تکلفی سے مستعار لیے ہیں۔ ان اشارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولی کے اشعار عوام وخواص کے مزاج میں ڈھل گئے تھے، جن کی ترجمانی فن میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ولی کے کلام کے مخطوطے کثرت سے مختلف ذخیروں میں موجود ہیں۔ اردو کے کسی قدیم شاعر کا کلام اس کثرت سے نقل نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس احتیاط سے محفوظ کیا گیا۔ ولی کی مقبولیت کی یہ ایک حیرت خیز مثال ہے۔[۱۹] ولی کی جمالیاتی حسن آفرینی اور پیکر تراشی میں بھی کوئی مقابل نہیں ہے۔ فارسی شاعری سے بھی موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ شاکر ناجی کا یہ طنز ایک بڑی حقیقت کا انکشاف ہے کہ فارسی پڑھ کر سرکاری نوکری کے ذریعہ روٹی حاصل کی جاسکتی ہے۔ زندگی کی سرخوشی نہیں۔

میں کیے تسخیر ناجی ریختے میں سیم تن
گرچہ زر حاصل کریں ہیں یار پڑھ کر فارسی

آبرو و حاتم اور فائز کے بعد شاکر ناجی (م ۱۷۴۷ء) قابل ذکر بڑے شاعر ہیں جو شمالی ہند کی اردو شاعری کے دورِ اوّل میں ممتاز مقام کے حامل اور دہلی کے باشندے ہیں۔ سنہ ۱۱۶۰ھ میں رحلت کی۔ ان کی پیدائش ۱۱۰۵ھ میں ہوئی۔ ان کا دیوان پہلی بار ۱۹۶۸ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔ دہلوی شاعری کے دوراوّل کے شعرا میں ان کا احترام کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ وہ اگرچہ ہجو و ہزل کے لیے معروف ہوئے، مگر کلام کا بڑا حصہ سنجیدہ شاعری کا بیش بہا سرمایہ ہے۔ وہ بھی ولی کے موثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ کلام میں جگہ جگہ عکس واعتراف ملتا ہے:

ناجی کے حرف حرف میں عرفاں ہے جلوہ گر
استاد بیت بیت مصور ولی کی ہے[۲۰]

ناجی کا یہ شعر تو زباں زدِ خاص و عام ہوا اور ولی کی شعری دل فروزی کا ایک دستور رقم کر گیا:

جو قبرستان میں کوئی شعر ناجی کا پڑھے جا کر
کفن کو چاک کر کر آفریں کہتا ولؔی نکلے[۲۱]

کئی غزلیں زمینِ ولی میں ہیں۔ ان کے علاوہ لفظیات اور موضوعات میں بھی ولی کی لطیف خیال آرائیاں موجود ہیں۔ گویا ولی کی حیثیت استنادکی ہی نہیں بلکہ وہ سب کے لیے ناگزیر سخن ساز اور سرچشمۂ تخلیق ہیں۔

اس دور کے ایک اور اہم شاعر عبدالوہاب یکرو ہیں، جو پنجاب کے رہنے والے تھے، مگر دہلی میں مقیم اور آبرو کے شاگرد ہیں:

استاد آبرو نے تخلص مرا کیا

ان کے بارے میں تفصیلات نہیں کے برابر ہیں۔ شکر ہے کہ اُن کے دیوان کا واحد قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ جسے ڈاکٹر شمیم احمد نے ۱۹۷۸ء میں مظفر پور سے شائع کیا ہے۔[۲۲]

استاد آبرو کی طرح ولی کی زمینِ طرح میں کئی غزلیں ان کے دیوان میں موجود ہیں، جن سے استفادے اور فیض کے حصول کا پتہ چلتا ہے۔ مزید تخلیق میں تقلید و تتبع کا واضح ثبوت بھی ملتا ہے۔ ولی کے مطبوعہ کلیات کی پہلی غزل ہے۔ بعض مخطوطات میں یہ پہلی غزل نہیں ہے۔ ولی کا مطلع ہے:

وو صنم جب سوں بسا دیدۂ حیران میں آ
آتشِ عشق پڑی عقل کے سامان میں آ

یکرو کا مطلع ہے:

گل کو شرمندہ کرائے شوخ گلستان میں آ
لب سیں غنچے کا جگر خوں کرو مسکیان میں آ

ولی کی غزل کا ذکر ہو چکا ہے۔ آبرو نے پیروی کی۔ ان کے شاگرد یکرو بھی استاد کے ہم دوش ہیں:

عشق ہے عشق پاکبازی کا
گو کہ ہو عالمِ مجازی کا

ولؔی کی مشہور غزل ہے:

تجھ لب کی صفت لعل بدخشاں سوں کہوں گا
جادو ہیں ترے نین غزالاں سوں کہوں گا

یکرؔو کا مطلع ملاحظہ ہو:

تجھ قد کی ادا سروِ گلستاں سوں کہوں گا
جادوئے نین نرگس بستاں سوں کہوں گا

شعری تلازموں کی ایسی خوبصورت یکسانیت اور آہنگ کا یہ حسنِ ارتباط ولی کی شعریات ہی نہیں بلکہ تخلیقی روایت کا یہ تسلسل ادبی استحکام کا سبب بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر شمیم احمد[۲۳] نے سترہ مطلعے اور شعر کی مثالیں دی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ اشعار اور غزلیں ہیں جن میں ولی کے موثرات ریزۂ گہر بن کر فن میں روشن ہوئے ہیں:

دل لیے جاتے ہیں اے ولؔی میرا
سرو قد جب خرام کرتے ہیں

یکرو کا استفادہ بھلا لگتا ہے:

خوش قداں جب خرام کرتے ہیں
فتنہ برپا تمام کرتے ہیں

استفادے یا فیض رسانی کا یہ شعوری عمل عام ہے۔ جسے تو ارد یا سرقہ نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ ولی جیسے مستند اور معتبر سخنور کی پیروی میں شعر کہنا فخریہ اسلوبِ اظہار کا پیمانہ بن چکا تھا۔

اس عہد کے ایک اور فن کار کا کلام منظر عام پر آ چکا ہے۔ واحد قلمی نسخے کی مدد سے ڈاکٹر شمیم احمد نے دیوانِ سجاد کو پٹنہ سے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا ہے۔ میر محمد سجاد اکبر آباد کے باشندے ہیں۔ اقامت دہلی میں تھی۔ یہ شاہ حاتم سے تقریباً ۱۵ سال چھوٹے ہیں۔ ان کی پیدائش غالباً ۱۱۲۶ھ میں ہوئی۔ یہ بھی آبرو کے شاگرد ہیں۔ تذکروں میں کوائف زندگی کی تفصیل نہیں ملتی۔ ان کے کلام میں ولی کے شعری پرتوِ حسن کی وافر مثالیں موجود ہیں، ولی کی غزل ہے:

کتاب الحسن کا یہ مکھ صفا تیرا صفا دستا
ترے ابرو کے دو مصرع سوں اس کا ابتدا دستا

سجاد کی غزل کا مطلع ہے:

کھلے بندوں نشے کے بیچ آتا ہے چلا ہنستا
گلابی ہاتھ میں داروپئے سرشار وارستا

ولی کی مشہور غزل کا یکرو کے ذیل میں ذکر ہو چکا ہے۔ سجاد کا مطلع دیکھیے:

آشفتہ دلی زلفِ پریشاں سے کہوں گا
جا درد کے تئیں درد کے داماں سے کہوں گا

اس شعر پر ولی کا حسین شعر یاد آتا ہے:

بس کہ مجھ حال سوں ہمسر ہے پریشانی میں
درد کہتی ہے مرا زلف تری کان میں آ

ولی کی ردیف 'م' کی غزل ہے:

جیوں گل شگفتہ رو ہیں سخن کے چمن میں ہم
جیوں شمع سر بلند ہیں ہر انجمن میں ہم

سجاد کی غزل کا مطلع ہے:

ہوتے نہیں جو شمع تری انجمن میں ہم
جلتے ہیں سوچ سوچ کے اپنے ہی من میں ہم

دونوں غزلوں میں ردیف و قافیہ کے علاوہ مضامین میں قدرے تبدیلی موجود ہے۔لفظیات کا ذخیرہ بھی بہت حد تک یکساں ہے۔جیسے شمع، انجمن، سخن جلتے ہیں، سجن، نین، کفن، من وغیرہ۔ایک معمولی فرق کو بھی روا رکھا گیا ہے۔جیسے خوباں کی جگہ یار، برہ کی جگہ انتظار، بلبلاں کی جگہ پروانہ وغیرہ۔سجاد کا مصرع ثانی ملاحظہ ہو:

لگتے ہیں جا کے یار کے منہ سے سخن میں ہم

ولی کا مصرع اولیٰ ہے:

خوباں جگت کے جیو سو ملتے ہیں ہم سیتی

اس طرح کی سیکڑوں مشابہتیں مختلف فنکاروں کے درمیان موجود ہیں۔ولی کے کلام کی یہ سایہ نشینی ان سے ارادت اور عقیدت کے جہانِ نو کے نمود کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ولی سے چشم پوشی ممکن نہ تھی۔گویا ولی کی شاعری فیشن اور فارمولا سے بھی بلند تر عظمت کی حامل تھی۔

ولی کا کلام شمال کے لیے حیرت کدۂ تخلیق ہے۔کیوں کہ ابھی تک نہ کوئی دیوان وجود میں آیا تھا اور نہ ہی ایسا صاف وسشتہ جذبہ واحساس کا مجموعہ متعارف تھا۔شمالی ہند میں بکھرے ہوئے چند اشعار یا اقوال تھے یا بھاکا کے کچھ منظومات، جن تک سب کی رسائی بھی نہ تھی۔وہ اردو کے لب ولہجہ کے غماز نہ تھے۔لے دے کے افضل کی بکٹ کہانی تھی جو ۱۶۲۰ء میں تخلیق ہوئی، مگر یہ عام نہ ہوسکی۔سو سال بعد کا لکھا ہوا مخطوطہ (۱۷۲۰ء) ہی دریافت ہوسکا ہے، جو ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔خسرو کے چند اردو اشعار اب بھی محض مفروضہ ہی ہیں۔یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے، اس مفروضہ کو اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو خسرو سے لے کر ولی تک تقریباً ساڑھے تین سو سال کے وقفے کا جواز موجود نہیں ہے۔دکن کے ادب کو نظر انداز کرکے یہ شمالی ہند کی اردو شاعری کے احوال ہیں۔ایسی خلا میں ولی کا دیوان شعری الہام کی حیثیت رکھتا ہے۔ولی کا وجود تخلیق کا ایک اعجاز ہے۔جو ابر نیساں بن کر زمینِ شمال پر برسا۔اس دور کے فنکاروں کو آفریں ہو کہ انھوں نے فارسی کی بالادستی کے برخلاف ایک انقلاب آفریں شعر گوئی کی تحریک شروع کی۔آبرو نے تو فارسی حروف کے استعمال پر بغاوت کا حکم نامہ جاری کیا۔یہ فارسی کے خلاف اردو کی خود مختاری کا اعلانیہ تھا جس نے عوام کو متوجہ کیا اور فارسی سے دست برداری کا آغاز ہوا۔

اردو کی سرگزشت بھی عجیب ہے۔اس نے فارسی کے سہارے چلنا سیکھا، مگر فارسی نے یہ موقع نہ دیا کہ وہ جواں اور جولاں ہوسکے۔فارسی نے سرکاری سرپرستی حاصل کی اور علم وادب کے اظہار پر غالب رہی۔سرکار کے آئین ولسان کی پیروی عوام کی مجبوری ہوتی ہے۔اردو ریختہ ہی رہی۔اس کے فروغ کے امکانات معدوم ومسلوب ہوچکے تھے۔اشرافیہ کے ایوان ومحل اردو کے لیے ممنوع تھے۔کوچہ وبازار کے عوام ہی اس کی سرپرستی کرتے رہے۔اسی طبقہ نے شمال میں شاعری کو رواج دیا۔زیر مطالعہ عہد کے تقریباً سبھی شعرا طبقۂ خواص سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ پس ماندہ قبیلے کے قلمکار ہیں۔عہدِ غالب تک اردو دفتری دستور یا شاہانہ سرپرستی سے محروم رہی۔غالب واقبال جیسے عظیم شاعر بھی اردو کو منت پذیر شانہ ہی سمجھتے رہے۔جب کہ اردو نے ہی انھیں عظمت گھر کی آبرو بخشی۔ان فنکاروں کی فارسی تخلیق کو اہلِ زبان نے سبکِ ہندی بھی نہیں گردانا۔

لسانی کم مائیگی کی ایسی فضا میں ولی کا کلام بانگ رحیل اور صور اسرافیل کی طرح جاں بخش ثابت ہوا۔دنیائے شاعری کو دکن سے دہلی تک ایک ولولۂ تازہ ملا۔یہ اردو کی نشاۃِ ثانیہ ہے۔

نشاط اوّل کا آغاز دکن کے اہل قلم کرچکے تھے۔وہ اسے منتہا تک لے جاچکے تھے۔ناچیز کی نظر میں ولی دہلی ودکن کی شعری دہلیز کا سب سے درخشاں شاہوار ہے جس نے تخلیقی مہم کو مہمیز کیا ہے۔راقم نے شمال کے چند اہم اور بزرگ شعرا کے کلام سے چند مثالیں پیش کی ہیں۔ان کے علاوہ رند، نثار، راسخ، یقین، یک رنگ، فغاں، تاباں، مضمون، ضمیر وغیرہ سب نے ولی کے اثرات قبول کیے۔کیوں کہ اسالیب اور موضوعات کے اعتبار سے ایسی اعلیٰ اور عظیم شاعری کی کوئی نظیر نگاہوں میں نہ تھی۔حسن وعشق کے محسوسات اور محبوب کے متعلقات کا یہ والہانہ مرقع فارسی غزل گوئی کا حریف بن کر دہلی میں وارد ہوا جس نے فنکاروں کے دلوں میں تخلیق کی حرارت کو شعلۂ سوزاں بنا دیا۔آبرو کا ضخیم دیوان وجود میں آیا۔شاہ حاتم نے ضخیم دیوان سے دیوان زادے کا انتخاب کیا۔ولی کے تاثرات کا ہی نتیجہ ہے کہ میر وسودا کے کلام کو اوج آسماں کی عظمت حاصل ہوئی۔ورنہ کئی سو سال تک اردو کو اپنی بے نوری وبے بصیری پر رونا پڑتا۔ان دونوں عظیم شاعروں کے کلام میں بھی ولی کے آتش کدے کے شرارے شعلہ بن کر بکھرے ہیں۔موثرات کی نشاندہی کے لیے چند اہم فنکاروں کا کلام پیش کیا گیا ہے۔درحقیقت پوری شاعری ولی کی مرہونِ نظر ہے۔

میرا موضوع غزلوں تک محدود ہے۔ دوسری اصناف کی نشاندہی کے لیے دوسرے مقالے کی ضرورت ہے۔ صرف حاتم کا حوالہ پیش نظر ہے۔ پیرویٔ ولی صرف غزلوں تک محدود نہیں ہے۔ دوسری اصناف میں بھی ولی نے رہنمائی کی ہے۔ ولی نے اردو میں پہلا شہر نامہ لکھا اور صورت شہر کو موضوع قلم بنایا۔ شاہ حاتم نے مثنوی بزمِ عشرت رقم کی اور شاہجہاں آباد دہلی کی تعریف میں اٹھارہ اشعار قلم بند کیے۔ ولی کے ترجیع بند کے جواب میں حاتم نے ۱۱۳۵ھ میں ایک سو دس اشعار کی نظم لکھی۔ اس میں دس بند ہیں اور ہر بند کا آخری شعر ہے:

خبر لے کہ مشتاق دیدار ہوں
تری یک نگہ کا طلب گار ہوں[۲۴]

جب کہ ولی کے یہاں سات بند ہیں اور کل چھپن اشعار ہیں۔ حاتم کی قادرالکلامی قابل رشک ہے۔ حاتم نے صرف ترجیع بند پر تکیہ نہیں کیا۔ مخمسات میں بھی ولی کے چراغ سے اپنے اشعار کو پُرنور کیا ہے۔ کلیات ولی[۲۵] میں پانچ بند کا مخمس ہے، 'یہ برہ کی نارکیوں کر جاوے' جس میں کل پچیس مصرعے ہیں۔ حاتم کے مخمس میں اٹھارہ مصرعوں کا متن ولی کا ہے۔ باقی مصرعوں میں صرف دو ایک لفظ کی تبدیلی ہے۔ یوں سمجھئے کہ صرف تخلص کا فرق ہے۔ یہ خوش عقیدت مندی ہے، مگر صحتمند تخلیق کے یکسر منافی بھی ہے۔ ایک مسدس:

آپ کی یاد کر خدا کی قسم

ولی کی پیروی میں ہے۔ یہ فکری وفنّی اکتساب کے حوالے ہیں جس میں عقیدت، خراجِ تحسین کے ساتھ ناگزیر سیادت کا احساس بھی شامل ہے۔ (دیوان زادہ کلیات ولی، مرتبہ :عبدالحق، نئ دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۱۶۔۴۰۰) یہ وابستگی ولی کے شعری نسب نامے کی شناخت بھی ہے۔ اس اتباع کو احساسِ افتخار کا ایک وسیلہ بھی کہہ سکتے ہیں، جو انسانی نفسیات کا ایک عنصر ہے۔ ہر بشر اپنے رشتہ و پیوند کو بزرگ اور جلیل القدر ہستیوں سے قائم رکھنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ پدرم سلطان بود کا محاورہ بے سبب نہیں، بلکہ علم الانساب کا معاملہ ہے۔ غالب جیسی انا پسند طبیعت رکھنے والا فنکار بھی اعلان کرتا ہے کہ نظم ونثر میں وہ مولانا ظہوری کے خوشہ چیں ہیں۔ رگِ شعر میں انہی کی روح کارفرما ہے۔

یہ نظم و نثر مولانا ظہوری زندہ ام غالب

اقبال نے تو اور بڑا ستم کیا کہ اپنے فکروفن کے تمام معجزات کو مولانا رومی کے کشکول میں ڈال دیا۔ حالاں کہ یہ عجز وانکسار علمی دیانتداری کے خلاف ہے۔ حاتم کو معاصرین میں قدرت کلام کا ملکہ حاصل ہے۔ ان کا ولی کا اعتراف کہیں کہیں تقلید پرستی میں تبدیل ہو جاتا ہے، جو تخلیق کے منافی ہے، مگر تخلیقات میں عجزِ بیان کا اظہار گویا فنّی معمولات میں شامل ہے۔ ولی نے ابتدائی دور کو ہی متاثر نہیں کیا، بلکہ ان کے فیضان کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ آج کے نئے محسوسات میں ولی کا تغزل اور شعری صناعی کا حسن و جمال بے نظیر دل نشینی کے ساتھ آواز دے رہا ہے۔ عرفان و آگہی کے پیکر شاہ حاتم کا یہ اقرار واعتراف ہر دور کی نشوونمائے تخلیق کی حقیقت ہے۔

حاتم بھی اپنے دل کی تسلّی کو کم نہیں
گرچہ ولؔی ولی ہے جہاں میں سخن کے بیچ

مصادر

۱۔ دیوانِ حاتم، مرتبہ عبدالحق، دہلی ۲۰۱۰ء، ص: ۱۵۰
۲۔ نکات الشعرا، میر تقی میر، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء
۳۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ نورالحسن ہاشمی، دہلی، ۱۹۵۵ء، ص: ۲۷
۴۔ دیوانِ آبرو، مرتبہ محمد حسن، نئ دہلی، ۲۰۰۰ء، ص: ۸۹
۵۔ دیوانِ آبرو، مرتبہ محمد حسن، نئ دہلی، ۲۰۰۰ء، ص: ۹۰
۶۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ نورالحسن ہاشمی، دہلی ۱۹۴۵ء، ص: ۲۵۹
۷۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ نورالحسن ہاشمی، دہلی ۱۹۴۵ء، ص: ۱۸۹
۸۔ دیوانِ آبرو، مرتبہ محمد حسن، نئ دہلی، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۲۶
۹۔ دیوانِ حاتم، مرتبہ عبدالحق، دہلی ۲۰۱۰ء، ص: ۱۱۷
۱۰۔ دیوانِ حاتم، مرتبہ عبدالحق، دہلی ۲۰۱۰ء، ص: ۱۴۶
۱۱۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ نورالحسن ہاشمی، دہلی، ۱۹۴۵ء، ص: ۳۰۷
۱۲۔ دیوانِ حاتم، مرتبہ عبدالحق، دہلی، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۶
۱۳۔ دیوانِ حاتم، مرتبہ عبدالحق، دہلی، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۲۷
۱۴۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ نورالحسن ہاشمی، دہلی، ۱۹۴۵ء، ص: ۲
۱۵۔ انتخاب کلام فائز، مرتبہ محمد حسن، دہلی، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۴
۱۶۔ انتخاب کلام فائز، مرتبہ محمد حسن، دہلی، ۱۹۹۱ء، ص: ۲۳
۱۷۔ انتخاب کلام فائز، مرتبہ محمد حسن، دہلی، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۳
۱۸۔ انتخاب کلام فائز، مرتبہ محمد حسن، دہلی، ۱۹۹۱ء، ص: ۵۶
۱۹۔ متن شناسی عبدالحق، نئ دہلی، ۲۰۱۶ء، ص: ۱۷
۲۰۔ دیوانِ شاکر ناجی، مرتبہ فضل الحق، دہلی، ۱۹۶۸ء، ص: ۲۷۲
۲۱۔ دیوانِ شاکر ناجی، مرتبہ فضل الحق، دہلی، ۱۹۶۸ء، ص: ۲۸۰
۲۲۔ دیوانِ یکرو مرتبہ شمیم احمد، مظفر پور، ۱۹۷۸ء
۲۳۔ دیوانِ یکرو مرتبہ شمیم احمد، مظفر پور، ۱۹۷۸ء، ص: ۵۱
۲۴۔ دیوانِ زادہ، مرتبہ عبدالحق، نئ دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۴۰۰
۲۵۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ نوازالحسن، ہاشمی، دہلی، ۱۹۴۵ء ص: ۳۱۶

◆◆◆